معرفت نامے

(تصوّف، وحدت الوجود، اخلاقیات و الٰہیات پر مبنی چند خطوط)

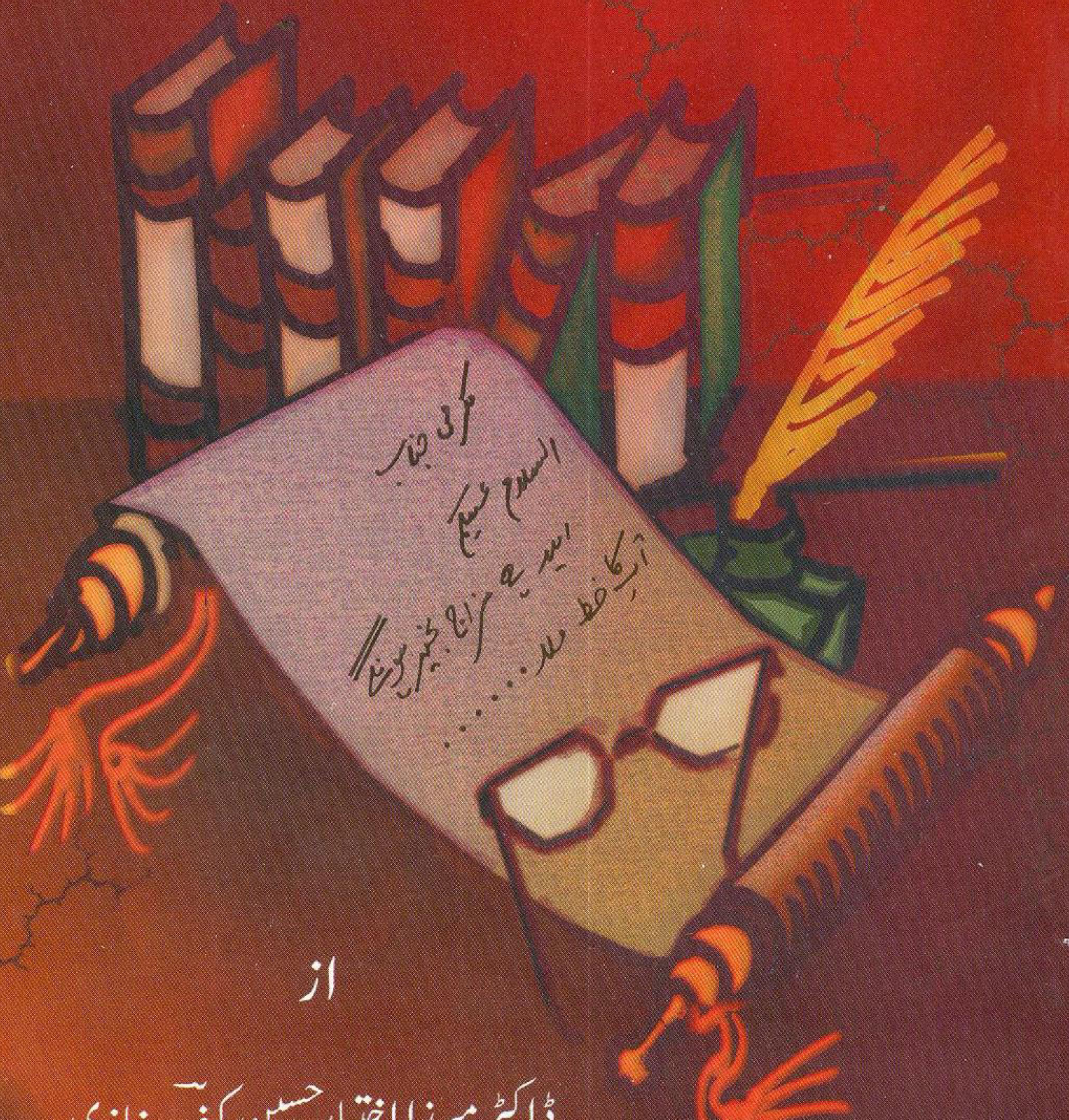

از

ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	معرفت نامے
سال	اکتوبر ۲۰۰۰ء۔۱۴۲۱ ہجری
تعداد	۵۰۰
کمپوزنگ	احمد گرافکس، کراچی
طباعت	ویلکم بک پورٹ، کراچی
ہدیہ	
ناشر	جماعت سالکین خانقاہِ آغائیہ مرتضویہ

Website: www.aghaia-order.com

E-mail: info@aghaia-order.com

ملنے کا پتہ: ویلکم بک پورٹ، اردو بازار کراچی

مین اردو بازار، کراچی

فون: ۲۶۳۹۵۸۱، ۲۶۳۳۱۵۱

فیکس: ۲۶۳۸۰۸۶

مکتبۂ رضویہ، گاڑی کھاتہ، کراچی

فہرست

			صفحہ
		چند باتیں	۴
مکتوبات	بنام	جناب میرزا احسن نظامی (رومی)	۹
"	"	جناب عاصم مرزا	۷۵
"	"	جناب محمد علی رضا قریشی	۸۴
"	"	جناب میرزا علی احمد	۱۰۴
"	"	جناب میرزا مجتبیٰ حسین	۱۲۸
"	"	جناب ڈاکٹر عارف میرزا	۱۳۷
"	"	جناب شکیل اسلم	۱۴۴
"	"	جناب مرزا نظام بیگ	۱۴۷
"	"	جناب بشارت علی	۱۵۵
"	"	جناب محمد عتیق اللہ انصاری	۱۶۴
"	"	جناب رضی انصاری	۱۷۳
"	"	جناب محمد ندیم انصاری	۱۹۰
"	"	محترمہ نجمہ اطہر	۱۹۹
"	"	محترمہ نجستہ احسن	۲۰۱
"	"	جناب محمد افضل	۲۰۸
"	"	جناب محمد حفیظ	۲۱۸
"	"	جناب غلام علی گھی والا	۲۳۰
"	"	جناب عابد علی	۲۴۱
"	"	جناب محمد علی	۲۶۰
"	"	محترمہ شکیلہ	۲۶۳
"	"	جناب محمد ادریس	۲۶۴
"	"	جناب سیٹھ ماکو بھائی	۲۷۱
		جماعت کی تصانیف	۲۸۷

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

چند باتیں

''خطوط'' بھی اب ادب کی ایک صنف میں شامل ہو گئے ہیں۔ بہت سے ناقدینِ ادب نے نجی خطوط کو اس وجہ سے ادب میں اعلیٰ مقام دیا ہے کہ وہ بے ساختہ اور تکلفات سے دور ہوتے ہیں اور ان میں دلی جذبات کی بے تکلف ترجمانی ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک دور رہنے والوں کے لیے آپس میں ربط وضبط کا یہی واحد ذریعہ تھا اس لیے اسے ''نصف ملاقات'' کہا جاتا تھا۔ لیکن اب ترسیلات کی دنیا میں ایک انقلاب آ گیا ہے۔ ٹیلی فون ہی کیا کم حیرت انگیز ایجاد تھی کہ اب کمپیوٹر اور اس کے متعلقات نے ایک معجزہ کا سا رنگ دے دیا ہے۔ پورے کے پورے خطوط آن واحد میں ہزاروں میل دور بھیج دیئے جاتے ہیں۔ آمنے سامنے بیٹھ کر بالمشافہ گفتگو کی جاسکتی ہے اور آئندہ کچھ برسوں میں اس ضمن میں کیا کچھ ہو جائے گا شاید ابھی ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ قوتوں کو بر سرکار لانا انسانی عظمت کا اعجاز ہے۔ ان حالات میں خطوط کی اہمیت کم ہونا عین فطری ہے۔ باوجود اس کے گھر سے دور رہنے والوں کو اندازہ ہے کہ اپنے عزیزوں اور واقف کاروں کے خطوط کا کس قدر بے چینی سے انتظار ہوتا ہے۔ اہل خانہ اور متعلقین کی خیریت کی تشویش رہتی ہے۔ اب خیریت تو انٹرنیٹ یا ای میل کے

ذریعہ ایک لمحہ میں معلوم ہوجاتی ہے۔ اس لئے خیر و عافیت کی طرف سے وہ اضطراب نہیں ہوتا۔ کیونکہ خطوں کا بھی اصل مقصد خیر و خبر تھا باقی مندرجات کی حیثیت ثانوی ہے۔ بہر حال اب بھی خطوط کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اوّل تو اوسط درجہ کی آمدنی والوں کے لیے کمپیوٹر وغیرہ تعیش کی حدود میں آتا ہے۔ دوسرے دور بیٹھ کر انسان تفصیلی حالات معلوم کرنا چاہتا ہے جس سے اخوت و محبت کے جذبات کی تسکین ہوتی ہے۔ خط پڑھ کر اور حالات معلوم ہو کر انسان کچھ عرصہ تک ان فضاؤں میں گم رہتا ہے جن سے وہ اتنی دور ہوگیا ہے۔

خطوط بہت ذاتی نوعیت کی چیز ہے جس سے غیر متعلقہ لوگوں کی عدم دلچسپی فطری ہے۔ جب تک تحریر میں اس نوع کے مندرجات نہ ہوں جو دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرسکیں اور مکتوب الیہ کے علاوہ عام قاری بھی اس سے مستفید ہوسکے ان خطوط کی اشاعت بے مصرف ہے۔ استفادہ علمی ادبی دینی عام معلومات کسی بھی نوع کا ہو بہر حال آگہی کا عنصر اس میں ہونا چاہیے۔

اُردو میں فی زمانہ خطوط خاصی حد تک دستیاب ہیں جن کے لکھنے والوں میں ادیب، دانشور، محققین، شعرا، سیاسی زعما، دینی علما غرض ہر طرح کے لوگ شامل ہیں۔ ظاہر ہے جب تک مراسلہ نگار عام ذہنی سطح سے قدرے بلند نہ ہو مکتوب الیہ کے علاوہ وہ دیگر قارئین کو کیا متاثر کرسکتا ہے۔ کسی کے پاس اگر کچھ کہنے کو نہ ہو وہ دوسروں کو کیا سنا سکتا ہے اور دوسرے کیونکر اس کی طرف متوجہ ہوسکتے ہیں۔

اس حقیقت کے اعتراف میں مجھے کچھ تامل نہیں کہ میں مندرجہ بالا کسی زمرہ میں نہیں آتا۔ ادیب نہ شاعر، محقق نہ دانشور، سیاسی لیڈر نہ مذہبی اسکالر، عالم و فاضل نہ صوفی و زاہد، یہ عجز و انکسار نہیں ہے بلکہ امر واقعی ہے۔ کچھ کام کیا ضرور ہے۔ کچھ شاعری بھی کی کچھ مضامین بھی لکھے۔ کچھ کتابیں بھی لکھیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ کوئی قابل ذکر مقام کسی صنف میں حاصل نہیں کرسکا۔ اس کی وجہ اپنی بے بضاعتی ہی ہوسکتی ہے۔ ان خطوط

کی اشاعت میں میری صلاحیتوں سے زیادہ احباب کی محبت اور نسبت کو زیادہ دخل ہے۔

۱۹۷۳ء میں بسلسلۂ ملازمت سعودی عرب گیا اور وہاں ۱۲ سال مقیم رہا۔ سب سے دوری یقیناً بہت شاق تھی۔ اس دوری کا کوئی بدل نہیں تھا سوائے اس ''نصف ملاقات'' کے۔ بیوی، بچے، اعزا، احبا خطوط لکھتے رہتے جن میں محبت کی خوشبو بسی رہتی۔ پردیس میں ان خطوط سے مجھے بڑا سکون ملتا۔ تاریک شب میں روشنی اور صحرا میں تازگی کا احساس ہوتا۔ میں ہر خط کا جواب ضرور دیتا۔ بعض لوگوں نے اسی محبت اور نسبت کی بناء پر ان خطوط کو محفوظ رکھا۔ لیکن بیشتر نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اگر سب خطوط جمع کیئے جاتے تو سینکڑوں تک نوبت پہنچتی۔ ۱۹۸۴ء میں واپس آ گیا۔ اس کے بعد عرصہ تک کسی کو بھی خیال نہیں آیا اور مجھے بھی اس کا علم نہیں تھا کہ کچھ لوگوں نے میرے لکھے ہوئے خطوط محفوظ کر رکھے ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ قبل میرے بیٹے حسن (رومی) اور میرے پھوپھی زاد بہن کے نواسے رضی نے آپس میں گفتگو کی کہ اس انبار میں بعض خطوط ایسے ہیں جنہیں اگر طبع کرا دیا جائے تو لوگوں کے لیے سود مند ہوں گے۔ کیونکہ بعض خطوط میں لوگوں نے اپنی نسبت کی بناء پر مجھ سے بعض مسائل کے متعلق سوالات کئے تھے جن کے جوابات میں نے اپنی فہم کے مطابق دیئے اس کے علاوہ ''بڑا'' ہونے کے ناطے پند و نصائح اخلاق و کردار کے متعلق گفتگو بعض خطوں میں ناگزیر تھی۔ خطوط لکھتے وقت میرے گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ ان خطوط کی طباعت کی نوبت آئے گی۔ ان بچوں کے نزدیک یہ خطوط عام لوگوں کے لیے بھی کچھ معلومات میں اضافہ کا سبب ہوں گے۔ ان لوگوں نے جبلپور، بمبئی سب جگہ خط لکھے اور کراچی میں بھی لوگوں سے کہا کہ جس کے پاس میرے خطوط ہوں وہ عنایت کر دیں اور سب سے اجازت بھی لی کہ اگر یہ خطوط طبع ہو جائیں تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس طرح خطوط کا انبار جمع ہو گیا۔ اس انبار میں سب خطوط اس قابل نہیں تھے کہ دوسروں کے لیے باعث دلچسپی ہوتے۔ بہت سے گھریلو مسائل خانگی اور نجی نوعیت کے معاملات ایسے نہیں تھے کہ ان کی عام اشاعت کی جاتی۔ انتخاب کا فریضہ بھی

ان بچوں کو ادا کرنا پڑا۔ حسن پھر کینیڈا چلے گئے اور کام التوا میں پڑ گیا۔ پھر عزیزم رضی نے اپنے سر یہ ذمہ داری لی۔ اس ذخیرہ میں سے یہ خطوط چھانٹے گئے بعض لوگوں نے بتایا کہ ہمارے پاس بہت اہم خطوط تھے مگر حادثاتی طور پر تلف ہو گئے۔ طبع شدہ خطوط بجنسہ ہیں۔ بعد میں کوئی عبارت آرائی نہیں کی گئی صرف ان سطور کو ضرور حذف کر دیا گیا ہے جن میں خالص ذاتی نوعیت کے مسائل تھے۔ یہ خطوط شعوری طور پر طباعت کے لیے نہیں لکھے گئے تھے اس لیے یقیناً اس میں زبان و بیان کے اعتبار سے خامیاں ہوں گی لیکن افادیت کے نقطۂ نظر سے امید ہے کہ کارآمد ہوں گے۔ خطوں میں بعض مسائل کی تکرار نظر آئے گی جو شاید لوگوں پر گراں گذرے۔ لیکن یہ ناگزیر ہے خط مختلف لوگوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ متعدد سوالات مشترک ہیں۔ جواب یقیناً ایک ہی جیسا ہوگا۔

یہاں یہ اظہار ضروری ہے کہ مسلک و مشرب کے لحاظ سے میں تصوف اور اس میں بھی وحدت الوجود کی طرف مائل ہوں میرے تمام مضامین اور تمام کتابیں اسی بنیاد پر لکھی گئی ہیں۔ میری شاعری میں بھی یہی جھلک ہے چنانچہ ان خطوط میں بھی یہی رنگ غالب ہے جس کے لیے میں طبعاً اور فطرتاً مجبور ہوں۔ اختلاف رائے ہر شخص کا حق ہے ضروری نہیں کہ مسائل کے بیان میں ہر فرد مجھ سے متفق ہو۔ بہر صورت خطا و نسیان انسانی فطرت ہے۔ میں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ قارئین کرام سے عفو و درگذر کا طلب گار ہوں۔

یہ بھی عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ میری معلومات کا منبع اور محور میرے پیر و مرشد والد گرامی حضرت شاہ مرتضیٰ حسینؒ ہیں جو سلسلہ عالیہ نیازیہ کے ایک معتمد اور معتبر بزرگ ہیں یہ زندگی کے اس بحر متلاطم اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں وہ منارہ نور ہے جس کی روشنی منزل کا پتہ دیتی ہے۔ اُمید ہے کہ زندگی کی یہ ڈگمگاتی ہوئی کشتی صحیح مقام پر لنگر انداز ہوگی۔ خدا کرے ایسا ہی ہو اور مجھ خطا کار گنہگار کا انجام بخیر ہو انہیں کی کفش برداری کے طفیل اللہ کا نام برا یا بھلا لینے کے قابل ہوا۔ اللہ کی معرفت حاصل کرنے کی بات اس لیے نہیں کی جب باعثِ تخلیق کائنات حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے ''ما عرفناک حق

معرفتک'' فرماتے ہیں تو مجھ جیسا حقیر انسان خدا شناسی کا کیا دعویٰ کر سکتا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان مندرجات کی خامیاں اپنے مرشد اور سلسلہ کے ان بزرگوں سے منسوب کردوں جن کے فیض جاریہ سے میں مستفیض ہوا۔ دینے والا بہت سخی ہے اپنا ہی دامن تنگ ہو تو دینے والے کا کیا قصور۔ میری کم فہمی اور کم علمی ان خامیوں کا سبب ہوسکتی ہے۔

میں ان تمام حضرات کا ممنون ہوں جنہوں نے میرے خطوط کو یہ وقار بخشا کہ انہیں محفوظ رکھا ورنہ علم و دانش میں من آنم کہ من دانم۔

میں محمد سلیم خاں صاحب کا شکر گزار ہوں کہ ان خطوط کی طباعت کا بار انہوں نے اپنے سر لیا۔ میری ایک اور کتاب کو وہ طبع کرا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں انہیں سرخرو رکھے۔

قارئین کرام سے استدعا ہے کہ مجھ گنہگار کے لیے دعائے خیر کریں۔

فقط

خاکپائے فقرائے کرام

میرزا اختیار حسین عفی عنہ

اکتوبر ۲۰۰۰ء